اردو انشائیہ میں فطرت انسانی کی عکاسی

ڈاکٹر یاسمین سرور
لیکچرار اردو
کوئین میری کالج، لاہور

TREATMENT OF HUMAN NATURE
IN URDU INSHAYA

Yasmin Sarwar, PhD
Lecturer in Urdu,
Queen Mary College, Lahore

Abstract

The article explores the treatment of human nature in Urdu Inshaya analytically. It establishes that Urdu Inshaya is the proper genre which has the capacity to reflect human nature in all its manifestations and diversities. The human nature is intricately related to apparent human behavior which has been excellently explicated in Urdu Inshaya. If studied profoundly, Urdu Inshaya can be helpful in understanding various dimensions and aspects of human psychology properly.

Keywords:

انشائیہ، اردو، انگریزی، تاریخ، فطرت، مچھلی، کانٹے، ڈاکٹر وزیر آغا، نظیر صدیقی، ڈاکٹر انور سدید

انشائیہ کا لفظ انشاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبارت لکھنا اور بات پیدا کرنا کے ہیں ۔نحو کی اصطلاح میں وہ جملہ جس میں سچ اور جھوٹ کا احتمال نہ ہو،انشائیہ کہلاتا ہے ۔ابتدا میں انشائیہ کو عام طور پر مضمون لطیف، انشائے لطیف اور ادب لطیف کا نام دیا گیا اور اسے انگریزی کے لائٹ ایسے (Light Essay) کے مترادف تصور کیا جاتا رہا لیکن درحقیقت انشائیہ اپنے اسلوب اور تکنیک کے حوالے سے مضمون لطیف،ادب لطیف،انشائے لطیف سے بالکل الگ ایک ایسی صنف نثر ہے جو انگریزی لائٹ ایسے(Light Essay) سے مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ناقدین انشائیہ نے اردو انشائیہ کی شناخت کے حوالے سے جو تعریفیں متعین کی ہیں ان سے انشائیہ کے خدوخال واضح طور پر سامنے آتے ہیں:
اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا انشائیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''انشائیہ اس نثری صنف کا نام ہے جس میں انشائیہ نگار اسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیاء یا مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طور گرفت میں لیتا ہے کہ انسانی شعور اپنے مدار سے ایک قدم باہر آ کر نئے مدار کو وجود میں لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔''(۱)

درج بالا بیان میں انشائیہ کی تین بنیادی خوبیاں بیان کی گئی ہیں ۔اول اس میں اسلوب کی تازہ کاری ہوتی ہے، دوم اشیا اور مظاہر کے باطن میں بے شمار معنی پوشیدہ ہوتے ہیں جن کی جانب انشائیہ نگار توجہ دلاتا ہے اور سوم ان اشیا کے ظاہری مفاہیم کے مدار سے الگ نئے جہان معنی کی تلاش بھی انشائیہ کی خصوصیت ہے۔

انشائیہ کی کوئی ایک ہیئت نہیں ہوتی ۔یہ دیگر اصناف سے بھی خوشہ چینی کرتا ہے۔اسی لیے ہمیں انشائیہ کے کئی نمونوں میں افسانوی، ڈرامائی اور مکالماتی انداز بھی نظر آتا ہے ۔جمیل آذر نے انشائیہ کی جو تعریف کی ہے اس میں انشائیہ کی اس خصوصیت کے حوالے سے استدلال نظر آتا ہے:

> ''اپنے مخصوص انداز کی بناء پر انشائیہ ایک لطیف صنف ادب ہے کیوں کہ اس میں غزل کا سا اعجاز،افسانے کا سا تاثر،ناول کا سا فلسفہ حیات اور ڈرامے کے سے انتظاریہ لمحات اور ان کے پس منظر میں شگفتگی کی دھیمی دھیمی سمفنی (symphony)ہوتی ہے اور ان سب پر مستزاد انکشاف ذات کا عمل جو خاص انشائیہ کے لیے مختص ہے۔یہی وہ مقتضیات ہیں جن کا انشائیہ میں ہونا ضروری ہے۔(۲)

مزید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انشائیہ میں موضوع کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی ۔بات سے بات نکلتی ہے اور اظہار خیال کی آزادہ روی میں بلا تخصیص ہر چیز کے منفی اور مثبت پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ڈاکٹرمحمد حسنین اس حوالے سے انشائیہ کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''انشائیہ ادب کی وہ کمین گاہ ہے جہاں قلم کار بیٹھ کر جس پر چاہے تیر چلا سکتا ہے ۔اکرام ودشنام سے بے پرواہ ہو کر وہ ہر نام اور کام کی عظمت اور ذلت کا محاسبہ کر سکتا ہے ۔اپنی تابکاریوں کے اظہار واشتہار پر ہم انشائیہ نگار پر کوئی قانونی دفعہ نہیں چلا سکتے کیونکہ ادب کا یہی گوشہ ہے جہاں قلم کار کو ہر طرح کی چھوٹ ہوتی ہے ،یہ گفتار کا وہ غازی ہے جسے سات نہیں سینکڑوں خون معاف ہیں ۔''(۳)

انشائیہ نگار کسی بھی موضوع کے بارے میں کچھ بھی لکھ سکتا ہے ۔وہ سادہ اور ہلکے پھلکے انداز میں معاشرتی ناہمواریوں کو بھی اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ وہ قاری کے احساس پر گراں بار نہیں ہوتی ۔نظیر صدیقی بھی انشائیہ کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

''انشائیہ ادب کی وہ صنف ہے جس میں حکمت سے لے کر حماقت تک اور حماقت سے لے کر حکمت تک کی ساری منزلیں طے کی جاتی ہیں ۔یہ وہ صنف ادب ہے جس میں بے معنی باتوں کے معنی تلاش کیے جاتے ہیں اور باتوں باتوں میں مہلیت اور مہولیت اجاگر کی جاتی ہے ۔(۴)

درج بالا انشائیہ کی تعریفیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ انشائیہ ایک منفرد نثری صنف ہے جو مضمون نگاری سے مختلف ہے ۔اس میں اسلوب کی تازہ کاری، شگفتگی اور لطافت ہوتی ہے ۔کسی بھی موضوع یا خیال کے عام مفہوم سے بلند ہو کر نئے جہان معنی کے اکتساب سے انشائیہ نگار قاری کو خیال کے ایک مدار سے دوسرے مدار میں لے جاتا ہے ۔جس کے آخر میں ایک خوشگوار اور حیرت انگیز مسرت کا احساس ہوتا ہے ۔انشائیہ نگار قاری کو اپنے خیال کی ہمراہی میں دنیاوی مسائل سے دور ایک خوشگوار فضا میں لے جاتا ہے اور ایک نئے جہان معنی کی سیر کراتا ہے ۔اسی طرح عام اور معمولی اشیا اور مظاہر کے باطن میں پوشیدہ مفاہیم کے تناظر میں انفرادیت کے پہلو تلاش کرنا انشائیہ کی بنیادی خوبی ہے جو نکتہ آفرینی کہلاتی ہے ۔انشائیہ کسی بھی موضوع پر لکھا جا سکتا ہے ۔کسی بھی معمولی چیز کے غیر معمولی پہلو بیان کرتے ہوئے اسے کسی بھی ہیئت میں تخلیق کیا جا سکتا ہے ۔انشائیہ کی ان تمام خصوصیات کے مقابلے میں مضمون کے متعلقہ مواد کے ٹھوس حقائق ودلائل اور انداز بیان کی سادگی وخشکی کا موازنہ کیا جائے تو انشائیہ یقیناً مضمون سے منفرد صنف نثر کے طور پر اپنا مقام رکھتا ہے ۔

اردو میں انشائیہ کو انکشاف ذات کی صنف مانا جاتا ہے اور انشائیہ نگار اپنے ذاتی تجربے اور

مشاہدے کو خارجی حقائق سے اس طرح یکجا کر کے پیش کرتا ہے کہ قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تمام سرگزشت اسی کی بیان ہورہی ہے۔ چنانچہ انشائیہ کے موضوعات اوراس کی روح میں ہمیں فطرت انسانی کے حوالے بھی کثرت سے نظر آتے ہیں۔انسانی فطرت کا مطالعہ بذات خود ایک دلچسپ موضوع ہے لیکن جب ایک انشائیہ نگار کی آنکھ اس کی کیفیات پر نظر کرتی ہے تو انسانی فطرت کی نیرنگیاں اور بھی کھل کر سامنے آتی ہیں۔انسانی عادات واطوار اور رویے اس کی داخلی کیفیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔انسان جب خوش ہوتا ہے مسرت کا احساس فرط جذبات کی صورت اس کے چہرے پر عیاں ہوتا ہے۔اسی طرح جب انسان کسی مصیبت، دکھ یا کرب کی کیفیت سے گزر رہا ہوتا ہے تو اس کی حرکات وسکنات کے اظہار سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے چہرے اور حرکات وسکنات سے ان کیفیات کی ترجمانی اپنی اپنی قوت ارادی کے مطابق کرتا ہے۔

انسانی مزاج کی گوناں گوں کیفیات کو ایک انشائیہ نگار عام انسان کے مقابلے میں مختلف انداز سے دیکھتا ہے۔وہ ان جذبات، احساسات اور کیفیات کے پس پردہ انسانی مزاج کی عکاسی اس منفرد اور اچھوتے انداز میں کرتا ہے کہ حیرت انگیز لطف وانبساط کے ساتھ ساتھ شگفتہ انداز میں انسانی سرشت سامنے آجاتی ہے۔

اردو انشائیہ کی تاریخ ایسی بہت سی مثالوں سے بھری پڑی ہے جو انسانی فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو نہایت شیریں اور شگفتہ انداز میں بیان کرتی ہیں۔انسانی فطرت کی عکاسی کی ایک جھلک ہمیں سرسید کے انشائیہ نما مضمون ''بحث وتکرار'' میں بھی نظر آتی ہے:

> ''نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ایک کوئی بات کہتا ہے دوسرا بولتا ہے واہ! یوں نہیں، یوں ہے۔وہ کہتا ہے واہ! ''تم کیا جانو'' وہ بولتا ہے ''تم کیا جانو'' دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراؤنی ہو جاتی ہیں۔۔۔اس کی گردن اس کے ہاتھ اور اس کی داڑھی اس کی مٹھی میں، لپاڈوکی ہونے لگتی ہے۔کسی نے بیچ بچاؤ کی کوشش کر کر چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر چلا گیا اور ایک ادھر''(۵)

سرسید نے اس اقتباس میں کتوں کی بات کرتے کرتے انسانوں میں موجود بحث وتکرار کی عادت کو بیان کر کے انسانی فطرت کی عکاسی نہایت ہلکے پھلکے انداز میں کی ہے۔اسی طرح محمد حسین آزاد کے ایک

انشائی مضمون ''خوش طبعی'' میں بھی ہمیں انسان میں پائی جانے والی خوش طبعی کا حوالہ نظر آتا ہے۔ان کے مضمون ''خوش طبعی'' سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

''خوش طبعی کی تعریف میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ وہ کیا شے ہے البتہ یہ کہنا آسان ہے وہ کیا شے نہیں ہے۔میں اگر اس کی نسبت کچھ خیالات بیان کروں تو افلاطون حکیم الٰہی کی طرح کنایہ اور استعارہ سے بیان کروں اور ظرافت کو ایک شخص قرار دے کر اس سے وہ صفتیں منسوب کروں جو کہ نسب نامہ مندرجہ ذیل میں درج ہیں۔یہ واضح ہو کہ سچ،خوش طبعی کے خاندان کا بانی مبانی ہے اس گھرانے میں حسن بیان ہوا۔اس نے ایک اپنے برابر کے خاندان میں شادی کی۔اس کی دلہن کا نام خندہ جبیں تھا کہ آٹھ پہر ہنستی ہی رہتی تھی۔چنانچہ ان کے گھر میں میاں خوش طبع پیدا ہوئے چونکہ خوش طبع سارے خاندان کا لب لباب تھا اور بالکل مختلف طبیعت کے والدین سے پیدا ہوا تھا اس لیے اس کی طبیعت بوقلموں اور گوناگوں تھی۔کبھی تو نہایت سنجیدہ اور معقول وضع اختیار کر لیتا تھا اور کبھی رنگین بانکا بن جاتا۔کبھی ایسا بن کر نکلتا گویا قاضی القضاۃ یا شیخ الاسلام چلے آتے ہیں اور کبھی ایسے مسخرے بن جاتے کہ بھانڈوں کو بھی طاق پر بٹھاتے لیکن چونکہ ماں کے دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے اس لیے کسی حالت میں ہو،اہل محفل کو ہنسائے بغیر نہ رہتا تھا۔''(۶)

محمد حسین آزاد نے خوش طبعی کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ خوش طبع واقع ہوئی ہے۔محمد حسین آزاد نے بھی انسانی مزاج کی اس خوبی کو انشائی صورت دے کر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ خوش طبع انسان ہر قسم کے حالات میں خوش طبعی کا اظہار کرتے ہیں۔نیاز فتح پوری کے ہاں بھی انسانی فطرت کی صورت عورت کے مختلف جذبات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔انھوں نے صبر اور قربانی دینے کے حوالے سے عورت کی فطرت کو سامنے لاتے ہوئے نہایت دلپذیر انداز میں اس کی زندگی میں ان تمام مشقتوں سے پردہ اٹھایا ہے جن کا ہم عام طور پر احساس بھی نہیں کرتے۔ہم نے عورت کی عظمت کا کبھی بھی اعتراف نہیں کیا۔اس کے زخموں پر کبھی تعریف کا مرہم نہیں لگایا۔ان کے ایک انشائی مضمون سے اقتباس حسب ذیل ہے:

''اس کی ادائے تسلیمات کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ محنت و مشقت سے ہاتھ میں پڑ جانے والے چھالوں اور دانوں کو بھی اپنے شوہر سے چھپاتی ہے،محنتیں کرتی ہے اور کوئی اجر نہیں چاہتی لیکن بے اختیار کبھی کبھی مرد کے غیر معترفانہ طریقہ عمل

سے متاثر ہو کر اس کا رد کر دینا ،ایک خاموش آنسو آستین یا دامن میں ٹپکا دینا، ایک متزلزل ثبوت،اس کے کمال محبت کا ہے جس سے مرد آشنا نہیں ۔''(۷)

مذکورہ بالا اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ نیاز فتح پوری نے اپنے مخصوص رومانوی انداز میں عورت کی بے لوث فطرت کو بیان کیا ہے۔ یہ وہ فطرت ہے جو عورت کے ہر روپ میں بے انتہا چھلکتی ہے لیکن ہم بے خبر اس کی جانب ایک محبت کی نظر بھی نہیں کرتے۔

اردو انشائیوں میں انسانی مزاج کی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ ان اچھائیوں کے تاریک پہلو بھی دکھائے گئے ہیں ۔فلک پیما کے انشائیہ نما مضمون ''اللہ میاں'' میں بھی نیکی کی عادت کے حوالے سے انسانی مزاجوں میں پنپنے والے منفی رویوں کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''ہاں میں کہہ رہا تھا کہ زیادہ نیک ہونا گناہ کبیرہ ہے اور مثال یہ دے رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکے کی دو بہنیں ہیں جو باوجود حسین اور فہیم ہونے کے نیکی کی معصیت میں گرفتار ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ اس لڑکے کی آنکھوں میں ان دو کا نمونہ کچھ ایسا سما گیا ہے کہ شاید اب تمام عمر وہ مختلف لڑکیوں کو ردی کی ٹوکری میں پھینکتا رہے ۔یہ ہے ان دو لڑکیوں کی نیکی کی برائی اور میں اپنے سامعین پر واضح کر رہا تھا کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر نیک ہو کیونکہ غیر معمولی طور پر نیک ہونا اور غیر معمولی نیکی دنیا کے محدود راس المال پر ایک مذموم قسم کا غضب ہے۔''(۸)

ابوالکلام آزاد اپنے انشائی مضمون میں انسانی فطرت کی اس خصوصیت کی جانب توجہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ انسان کی تمام خوشیوں اور زندگی کی رنگینیوں کا دارو مدار اس کی دلی کیفیات پر ہوتا ہے ۔جب ہم اپنے دل میں انھیں تلاش کریں گے تو ہمیں ہر چیز حسین نظر آئے گی۔اس کی عکاسی ان کے ذیل کے انشائیہ میں عیاں ہے:

'جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگتی ہوں کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں۔جہاں دوپہر ہر روز چمکے شفق ہر روز نکھرے، پرند چہند صبح شام چہکیں،اسے قید خانہ ہونے پر بھی عیش و مسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے؟ ۔۔۔ یہاں مصیبت ساری یہ ہے کہ خود ہمارا دماغ ہی گم ہو جاتا ہے۔ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈھتے رہیں گے مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو

کبھی نہیں ڈھونڈیں گے۔حالانکہ اگر اسے ڈھونڈ نکالیں تو عیش و مسرت کا سارا سامان
اسی کوٹھڑی کے اندر سمٹا ہوا مل جائے۔'' (۹)

فرحت اللہ بیگ کے انشائیہ نما مضمون ''مردہ بدست زندہ''میں انسانوں کی کسی نیکی کے کام سے بھی جی چرانے کی فطرت کی عکاسی ہوتی ہے۔اس میں دکھایا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد دیگر انسانوں کا عمومی رویہ کیا ہوتا ہے ۔مختلف طبیعتیں اور مزاج رکھنے والے افراد کی بے حسی کی عکاسی ذیل کے اقتباس سے صاف ظاہر ہوتی ہے:

''---یہاں ہمراہیوں کی مزید تقسیم ہوتی ہے ایک تو وہ ہیں جو ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور
ادب سے پڑھیں گے اور دوسرے وہ ہیں جو نہا دھو، کپڑے بدل کر خاص اسی جنازے
کے لیے آئے ہیں تیسرے وہ ہیں جو اپنی وضعداری پر قائم ہیں یعنی نہ کبھی نماز پڑھی ہے
اور نہ اب پڑھیں گے ۔دور سے مسجد کو دیکھا اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔''(۱۰)

ڈاکٹر وزیر آغا جدید اردو انشائیہ کے بانی ہیں ۔انھوں نے انشائیہ کی فطرت کو دریافت کیا اور انشائیہ کے مزاج کے فروغ کے لیے باقاعدہ تحریک چلائی ۔ان کے انشائیے نہایت شگفتہ اسلوب کے حامل ہیں اور ہمارے لیے نئے جہان معنی کا سامان لیے ہوئے ہیں ۔وہ انشائیہ میں انسانی فطرت کی عکاسی بھی بھرپور انداز میں کرتے ہیں ۔ان کے انشائیہ ''ڈبویا مجھ کو ہونے نے''میں اس کی جھلک واضح طور پر سامنے آتی ہے:

''ایک بار نہیں کئی بار میں نے خود کو اپنی شخصیت کے بوجھ تلے کراہتے ہوئے پایا ہے۔
جب ساون کی گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آتی ہیں اور آنگن میں اہل وطن لباس کے بندھنوں
سے آزاد ہو کر نہاتے اور قہقہے لگاتے ہیں تو میں اپنی شخصیت ،اپنے وقار، اور اپنے نام نمود
کے بوجھل احساس تلے دب کر رہ جاتا ہوں ۔میں بھی پلٹ کر ان میں شامل ہونا چاہتا
ہوں لیکن میں ایسا کر نہیں سکتا ۔اس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شخصیت کا خول دراصل
روح کا بندی خانہ ہے اور یہ بندی خانہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا ہے۔''(۱۱)

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے خود کے بنائے ہوئے اصول ہی اسے زندگی کی حقیقی خوشیوں سے محروم کر دیتے ہیں ۔جمیل آذر کے ہاں بھی انسانی فطرت کی عکاسی اپنے بھرپور انداز میں سامنے آتی ہے ۔ان کا انشائیہ ''مچھلی کا شکار''انسان کی کسی کامیابی پر حاصل ہونے والی دلی مسرت کا اظہار ہے ۔انسان جب اپنی تگ ودو کے نتیجے میں کچھ پا لینے کے احساس سے گزرتا ہے تو اسے سارا جہان اپنی دسترس میں محسوس ہوتا ہے۔

انسانی فطرت کی عکاسی ذیل کے اقتباس سے بھی ہوتی ہے:

''ایک تڑپتی مچلتی رقص بسمل کرتی ہوئی ننھی منی مچھلی کانٹے میں پھنسی تھی۔عالم ناموجود سے عالم موجود میں آئی ہوئی مچھلی کو دیکھ کر فرط مسرت سے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا۔استادان گرامی قدر نے نہایت فراخدلی کے ساتھ شاباش دی اور میرے پہلے کامیاب شکار پر ہر طرف سے مبارک باد! مبارک باد! کی صدا آنے لگی۔مبارک باد کی صدا پانی کے باہر سے، پانی کے اندر سے، آس پاس کے درختوں سے، عالم موجود سے عالم ناموجود سے سنائی دے رہی تھی۔میرا شعور لاشعور سے ہم آہنگ ہو کر فطرت کے عریاں حسن کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ننھی منھی سی پیاری سی مچھلی میرے ہاتھ میں تھی جو مچل مچل اور تڑپ تڑپ رہی تھی، بار بار منہ کھول رہی تھی۔جیسے کہہ رہی ہو:

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینہ کائنات میں(۱۲)''

غلام جیلانی کے ہاں انشائیہ خوب صورت نثری پیکر میں تبسم زیر لب کی شگفتہ کیفیت پیش کرتا ہے۔ان کا انشائیہ ''مکان بنانا'' بڑے شگفتہ انداز میں انسانی مزاج کے مختلف رنگ دکھانے کی ایک خوبصورت کاوش ہے۔ان کے انشائیہ میں انسانی مزاج کے مختلف رنگوں کی عکاسی ان الفاظ میں ہوتی ہے:

''مزدور بنیاد کھودتے رہے اور میں ان کے ساتھ ساتھ بنیاد کی گہرائی میں چلتا رہا۔جوں جوں بنیاد گہری ہوتی گئی مجھے گہرائی کا عرفان ہوتا گیا۔اس سے پہلے میں نے زمین کو اندر سے نہیں دیکھا تھا۔میرا گہرائی کا تصور ایک غیر ارضی، مجرد خیال تھا جس کا ذائقہ میں نے اپنے رگ وپے میں محسوس نہیں کیا تھا۔۔۔۔جب تک مکان کا کوئی وجود نہ تھا تو فساد کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی موجود نہ تھی لیکن جونہی مکان کی تعمیر کا خواب عمل کی دنیا میں داخل ہوا تو سب سے پہلے ہمسایوں سے نالی کے رخ پر جھگڑا ہوا۔اس جھگڑے میں نالی کے ساتھ ہمسائیوں کی جوان بہو بیٹیوں کا پردہ بھی فریق ثانی کی حیثیت سے شامل ہو گیا۔جب یہ جھگڑا ختم ہوا تو ہاؤس بلڈنگ کارپوریشن سے اقساط کی بے قاعدگی پہ مقدمہ بازی شروع ہو گئی۔اس جنگ میں وکلاء، رفقاء، عزیز واقارب اور ان کے اعزا بھی شامل ہو گئے۔مقدمہ ختم ہونے سے پہلے ہی باپ بیٹوں کے درمیان تقسیم اراضی اور حق وراثت پر لے دے کا آغاز ہوا۔چنانچہ وہی باپ جس نے اپنے وجود کی نفی کر کے مکان کی پیشانی پر ''علم دین ولا'' لکھا تھا۔اب اپنے بیٹے علم دین کو نافرمانی اور مشکوک کردار کی بنا پر تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے محروم کر رہا تھا۔''(۱۳)

مذکورہ بالا اقتباس میں غلام جیلانی اصغر نے مکان کے حوالے سے مختلف مزاجوں اور رویوں کے حامل انسانوں کی فطرت کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے ۔ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جو اپنی ساری زندگی مکان بنانے کی تگ و دو میں گزار دیتا ہے ۔اپنے سکھ چین کو فراموش کر کے اپنے بچوں کے لیے ایک آشیانہ بناتا ہے آخر کار اسی اولاد کو نافرمانی کے نتیجے میں اسے اپنی جائیداد سے عاق بھی کر دیتا ہے ۔یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ بے لوث ہو کر کام کرتا ہے اور اسے اس کے بدلے میں اچھا صلہ نہیں ملتا تو وہ اس طرح کے فیصلے بھی کر ڈالتا ہے ۔

ڈاکٹر سلیم آغا بتاتے ہیں کہ انسان کی فطری چرب زبانی بھی کیا کیا گل کھلاتی ہے ۔مختلف زبانوں کی چرب زبانی، مختلف انسان مزاجوں کی عکاسی کرتی ہے ۔ڈاکٹر سلیم آغا انسانی فطرت کے اس انداز کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

> ''بعض زبانیں قینچی کی طرح ہر وقت کتر کتر کرتی چلتی رہتی ہیں اور پل بھر میں سب کچھ کاٹ ڈالتی ہیں ۔اس قسم کی زبانیں دم لے کر بات کرنے کے انداز کو سخت ناپسند کرتی ہیں ۔ایسی نوع کی زبانیں اکثر بیویوں کو الاٹ ہوتی ہیں ۔دوسری بڑی بات ان زبانوں کی ہے جو ہاں میں ہاں ملانے ہی میں اپنی عافیت دیکھتی ہیں ۔یہ صرف شوہروں کے نصیب میں لکھی گئی ہیں ۔پھر کچھ زبانیں بڑی تحمل مزاج ہوتی ہیں چاہے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ہی کیوں نہ ٹوٹ جائیں، یہ اف تک نہیں کرتیں ۔ایسی زبانیں اللہ کے خاص خاص بندوں کو ہی عطا ہوتی ہیں ۔''(۱۴)

ڈاکٹر انور سدید بھی اردو انشائیہ کا ایک معتبر نام ہے ۔انسانی فطرت کا مطالعہ ان کے ہاں بھی عمیق نظر آتا ہے ۔ انسان ازل سے ہی حسن کا متلاشی اور متمنی ہے ۔اپنے انشائیہ ''ذکر اس پری وش کا'' میں مختلف فائلوں کو تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید ان فائلوں کی مناسبت سے انسان کی حسن پروری کی تصویر انتہائی خوبصورت انداز میں کھینچتے ہیں:

> ''۔۔۔اور جونہی دفتر کی کرسی پر بیٹھ کر میری نظر فائلوں کی انجمن پر پڑتی ہے میرا اعصابی تناؤ یکسر ختم ہو جاتا ہے، آنکھوں میں سرمئی ڈورے سجائے اور کمر میں سرخ ربن باندھے یہ خوبصورت پریاں قطار اندر قطار میرے سامنے مودب سر بہ زانو پیش ہونے لگتی ہیں اور میں ان پر سرخ سبز اور سیاہ روشنائی سے ضربیں کھینچنے لگتا ہوں ۔میری حکمرانی کا یہ منظر دیدنی ہوتا ہے ۔میں اپنے آپ کو اس خوبصورت اکھاڑے کا راجہ اندر تصور کرتا ہوں ۔

کسی من موہنی صورت کو اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہوں، کسی کبیدہ رو کو جھٹک کر پرے پھینک دیتا ہوں اور کسی عالی وضع سے خوش ہو کر خود کو رشک بجا لاتا ہوں۔"(۱۵)

انسانی مزاج اور فطرت کے اتنے رنگ ہیں کہ ان کی ہر جھلک دکھانا اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ کبھی وہ ہنستا ہے، کبھی روتا ہے، کبھی گاتا ہے، اپنی فطرت کے زیر اثر وہ کبھی کسی اور کیفیت میں ہے تو کبھی کسی عمل کا پیروکار۔ اپنی ہر کیفیت میں وہ اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مشکور حسین یاد بھی اپنے انشائیوں میں انسانی فطرت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ اپنے انشائیہ "مبالغہ" میں مبالغہ کرنے کی انسانی فطرت کی عکاسی کرتے ہوئے وہ یوں رقم طراز ہیں:

"مبالغہ میں ہماری تمنا اور آرزو ایک نیا روپ دھار کر سامنے آتی ہے۔ ایک بات کو ہم بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ تمنا کو تمنا نہیں رہنے دیتے بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں جیسے اس کی تکمیل ہو گئی۔ خواب حقیقت میں بدل گیا۔ دشمن کو ذلیل کہنے پر آئے تو اسے ساری کائنات سے بڑا کمینہ کہہ ڈالا۔ دوست کی عزت کا ذکر کیا تو اسے عرش معلی پر لا بٹھایا۔ حقیقت میں نہ دشمن اتنا ذلیل ہے اور نہ دوست اتنا معزز مگر ہمیں تو اپنی تمنا کا اظہار مقصود ہے ------ اور سب باتیں چھوڑیے مبالغہ سے انسانی فطرت کی ایک ایسی ادا کا اظہار ہوتا ہے جس کی بدولت ہماری زندگی میں ہمیشہ چراغاں ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ہم اس ادا کو تکمیل کی خواہش کہہ سکتے ہیں۔"(۱۶)

مبالغہ کی طرح انسانی مزاج میں بہت سی ایسی عادات ہیں جن کو انسان اپنی ذات میں رچا بسا لیتا ہے جو دوسروں کو کم نقصان پہنچاتی ہیں لیکن خود اس عادت کے حامل انسان کے لیے زیادہ تکلیف اور دکھ کا سامان ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں حسد، غصہ، کینہ اور بغض جیسے جذبات انسانی مزاج میں کڑھتے رہنے کی عادت ڈالتے ہیں اور یہ عادت جب پختہ ہو جاتی ہے تو یہ انسانی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ہمیشہ کڑھتے رہتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ ارشد میر اپنے انشائیہ "کڑھنا میں" انسانی فطرت کی اسی روش کی جھلک بڑے موثر انداز میں دکھاتے ہیں:

"کڑھنا ذاتی نوع کا بھی ہوتا ہے اور نظریاتی بھی۔ طبیعاتی طرز کا بھی اور مابعد طبیعاتی بھی ---- انسانی علوم کے ماہرین کے نزدیک خواہ جاں گسل لمحات ہوں یا شادی مرگ کی کیفیات۔ ان سے بچاؤ کا بہترین طریقہ کڑھنے ہی سے فیض یاب ہونا قرار پایا ہے۔ دراصل خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں بعض لوگ کڑھنے سے پائیدار تعلقات

استوار کر لیتے ہیں اور دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کے چنگل میں پھنس کر اپنا تیا پانچا کرا لیتے ہیں ۔وہ لوگ جو چند ثانیوں کے لیے کڑھتے ہیں بڑے دور اندیش ہوتے ہیں۔ اس کا ذایقہ چکھ کر اور اس کے چند گھونٹ پی کر ایک نئی قوت حاصل کرتے ہیں ۔۔۔ دوسرے لوگ کڑھنے کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے بھی لب وا کرنا توہین کے مترادف گردانتے ہیں اور نقصان میں رہتے ہیں۔ دراصل یہی وہ بد نصیب ہیں جو دھیرے دھیرے اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں سلگ سلگ کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور سکندر اعظم کی طرح خالی ہاتھ رخصت ہو جاتے ہیں ۔"(۱۷)

زندگی میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بہت اہم ہوتی ہیں یہ انسان کی روح کو مسرور و شاداں کرتی ہیں ۔تالی بجانے کی صورت میں حاصل ہونے والی خوشی بھی اسی حقیقی جذبے کی عکاسی کرتی ہے ۔اکبر حمیدی اپنے انشائیہ "پہلی تالی" میں انسان کی اسی فطری خوشی کی عکاسی کرتے ہیں:

"میری مراد وہ پہلی تالی ہے جس کے بعد انسان پر یہ انکشاف ہوا ہو گا کہ وہ تالی بھی بجا سکتا ہے ۔تب اس نے بار بار تالی بجائی ہو گی اور اپنے ہاتھوں کی اس عظیم الشان قوت کا کرشمہ دیکھا ہو گا ۔تالی کی دلکش آواز میں اس نے کئی گہرے جذباتی اور تیز تیز خوشی سے معمور سانس لیے ہوں گے اور اس کے ساتھی اس بالکل نئی اور انوکھی آواز پر دوڑ، دوڑ کر اس کے گرد جمع ہو گئے ہوں گے ۔وہ بار بار تالی بجا کر انہیں حیرت انگیز مسرت سے دوچار کرتا رہا ہو گا ۔تب جہاں جہاں تالی کی آواز گئی ہو گی لوگ آ آ کر اس حیرت میں شامل ہوتے رہے ہوں گے ۔انہیں موسم بہار کا پہلا پھول اور صبح کا پہلا ستارہ بھی پہلی تالی ہی لگتا ہے ۔"(۱۸)

ہم دیکھتے ہیں کہ اردو انشائیہ میں انسانی فطرت اور مزاج کے مختلف انداز اور منفرد رنگ اپنے عام روایتی مفہوم سے ہٹ کر معنی کے نئے تناظر فراہم کرتے ہیں ۔ایک انشائیہ نگار جب زندگی میں پیش آنے والے عام اور غیر اہم معاملات کو انسانی مزاج اور فطرت کے حوالے سے دیکھتا ہے تو انسانی فطرت کے بے شمار عکس اس کے سامنے رقص کرنے لگتے ہیں۔ وہ ان تصویروں کو دوسرے کنارے سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے قاری کو بھی کئی نئے جہان معنی سے متعارف کراتا ہے ۔قاری ایسے انشائیوں کے مطالعہ سے انسانی رویوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا احاطہ بھی نہایت ہلکے پھلکے انداز میں کرتا ہے۔ انسانی فطرت نہایت لطیف ہوتی ہے۔ زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرتے ہوئے انسان مختلف جذبات و کیفیات کے زیر اثر

کچھ عادات اپنا لیتا ہے یہ عادات پختہ ہو کر انسانی فطرت کا خاصہ بن جاتی ہیں اور ایسی حالت میں انسان چاہ کر بھی اپنی فطرت سے باز نہیں آتا۔اردو انشائیہ ہمیں حیرت انگیز مسرت کے ساتھ انسانی فطرت کے مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔انشائیہ ایک ایسی صنف ادب ہے جو انسان کے داخل سے لے کر خارج تک نظر نہ آنے والی فطرت کو ایک نئے تناظر میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔انسانی فطرت کے حوالے سے انشائیوں کا مطالعہ ہمیں اپنے رویوں پر نظر ثانی کرنے اور دوسروں کے مزاجوں کو سمجھنے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) وزیر آغا ڈاکٹر''انشائیہ کے خدوخال''۱۹۹۱ء۔دہلی۔مکتبہ جامعہ،ص۵۰

(۲) پروفیسر جمیل آذر،انشائیہ اور انفرادی سوچ''راول پنڈی،نقش گر،پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء ص ۱۹

(۳) محمد حسنین،ڈاکٹر''ادب کی ایک خاص صنف۔انشائیہ''۱۹۶۶ء نگار،اصناف نمبر،ص ۳۱

(۴) نظیر صدیقی''شہرت کی خاطر''۱۹۷۹ء کراچی۔اردو اکیڈمی سندھ۔ص ۲۰

(۵) سر سید احمد خاں''مقالات سر سید''مرتبہ اسماعیل پانی پتی،مجلس ترقی ادب لاہور طبع اول ۱۹۶۲ء ص ۱۶۰_۱۵۹

(۶) محمد حسین آزاد''نیرنگ خیال''مئی ۱۹۹۸ء مرتبہ ڈاکٹر محمد صادق،مجلس ترقی ادب لاہور،

(۷) نیاز فتح پوری''،نگارستان''لکھنو،۱۹۳۹ء ص ۹۶

(۸) میاں عبدالعزیز،فلک پیما''مضامین فلک پیما''س۔ن،آئینہ ادب لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۱

(۹) ابوالکلام آزاد''غبار خاطر''۲۰۱۰ء لاہور۔مکتبہ جمال۔ص ۹۵

(۱۰) فرحت اللہ بیگ''مضامین فرحت''۱۹۸۴ء۔لکھنو۔مکتبہ کلیاں۔ص ۷۶

(۱۱) وزیر آغا ڈاکٹر''پگڈنڈی''۱۹۹۵ء لاہور اظہار سنز۔ص ۷۸

(۱۲) جمیل آذر''شاخ زیتون''(مچھلی کا شکا)سرگودھا۔مکتبہ اردو زبان ص ۳۴)

(۱۳) غلام جیلانی''نرم دم گفتگو''۱۹۹۶ء سرگودھا۔مکتبہ اردو زبان۔ص ۲۶

(۱۴) سلیم آغا''آمنا سامنا''(زبان)جون ۱۹۸۷ء لاہور۔مکتبہ فکر و خیال۔ص ۲۶

(۱۵) انور سدید ڈاکٹر''ذکر اس پری وش کا''۱۹۸۲ء سرگودھا''مکتبہ اردو زبان''ص ۱۰۷

(۱۶) مشکور حسین یاد''مبالغہ''۔ادب لطیف۔جولائی ۱۹۶۲ء ص ۵۸_۵۹

(۱۷) ارشد میر''کڑھنا''اوراق نومبر دسمبر ۱۹۸۳ء ص ۱۸

(۱۸) اکبر حمیدی''تتلی کے تعاقب میں،اکبر حمیدی،طبع اول ۱۹۹۰ء بٹر پبلیشرز،اسلام آباد۔ص ۶۷